شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباع نبویؐ پر مبنی

ایک اصلاحی تحریک

مع

خطبہ نکاح

کا ہماری معاشرتی زندگی سے تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب وتسوید

شیخ جمیل الرحمٰن

مکتبہ خدام القرآن لاھور

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور۔فون:3-35869501

www.tanzeem.org

تقدیم

نحمده وَ نصلی علیٰ رسُوله الکریم

شاید ہی کوئی سلیم الفطرت شخص اس بات سے انکار کر سکے کہ ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ‘ ولادت اور فوتگی کے مواقع پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ہندوانہ تہذیب کی باقیات السیئات ہیں اور ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین‘ دین فطرت ہے۔ لہٰذا اس نے فطرت کے مطابق اجتماعی عدل کے پیش نظر ان تمام مواقع اور تقاریب کے لیے اسلامی معاشرہ کی عدل وقسط پر مبنی رہنمائی فرمائی ہے اور کسی معیار کے خاندان کے لیے بھی اسے ناقابل برداشت بوجھ نہیں بنایا ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ نے ان رسومات کی اصلاح کی طرف اپنی تقاریر میں لوگوں کی توجہ دلانی شروع کی اور علامہ اقبال کے اس مصرعہ ع ”یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر“ کے مصداق ۱۹۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کی شادی کے موقع پر اپنے خاندان سے اس کی طرف اصلاحی پیش قدمی شروع کی۔ لہٰذا موصوف کا نکاح اس ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق : ((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ)) مسجد میں ہوا...... بعدہٗ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی بچیوں اور فرزندوں کی شادی کے مواقع پر اپنی پیش کردہ اصلاحی تحریک کے مطابق عمل درآمد شروع کر دیا۔ چنانچہ اس کتابچے کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب کی وہ تحریر شامل ہے جو موصوف نے ستمبر ۱۹۸۱ء کے میثاق کے لیے سپرد قلم فرمائی تھی۔ اس تحریر کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کی پوری اصلاحی تحریک اور اس پر ان کے اپنے عمل کا پورا نقشہ سامنے آ جائے گا۔ الحمدللہ اس تحریک کے اثرات رفتہ رفتہ مترتب ہو رہے ہیں اور اس سے متأثر ہو کر پنجاب خاص طور پر لاہور میں بہت سے اہل ثروت حضرات نے اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید کامیابی عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے جب دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا تو دعوت کے نفوذ کے ساتھ ہی دعوت کے وابستگان کے یہاں سے اپنے اور اپنے عزیزوں کے بچوں‘ بچیوں کے نکاح پڑھانے کے لیے اصرار ہونے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک خطبۂ نکاح کی اصل غرض وغایت موقع کی مناسبت سے تذکیر و تلقین اور نصیحت ہے‘ لہٰذا موصوف نے خطبۂ نکاح کے ساتھ اردو میں خطاب کو معمول بنا لیا تاکہ تذکیر کا حق ادا ہو سکے اور خطبۂ نکاح کا ہماری معاشرتی زندگی سے جو گہرا ربط و تعلق ہے وہ واضح ہو سکے۔ اس عاجز نے مختلف خطابات سے اہم نکات لے کر اس کو کتابچے کی شکل میں ۱۹۷۹ء میں اپنی دو بچیوں کی شادی کے موقع پر شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے فرزند ارجمند ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ کی شادی کے موقع پر اسے ”میثاق“ میں بھی شائع کیا گیا۔ اکثر احباب کا اصرار تھا کہ ان دونوں اہم چیزوں کو یکجا مستقل طور پر انجمن کی مطبوعات میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کام انجام پا گیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ!

احقر جمیل الرحمٰن عفی عنہ

شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں
ایک اصلاحی تحریک

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷/اگست ۱۹۸۱ء شام کو میری تیسری بچی کا عقد نکاح اپنے چچازاد کے ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لیے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا(۱)۔ اس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد ونوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (by name) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے آدھ گھنٹہ قبل، جامع القرآن یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر مصری قراءت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماعِ قرآن میں مشغول ہوتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعدازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا۔ پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب وقبول کا مرحلہ طے کرادیا۔ مزید برآں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارک باد دے کر اور خود ہی اسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درس قرآن شروع ہو سکے۔ بعدازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درس قرآن کا آغاز ہو گیا۔ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اسے وہیں سے اس کے بڑے بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

(۱) اس لیے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان مبارک ''اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ'' (نکاح کا اعلان عام کیا کرو) پر عمل کی موزوں ترین صورت یہی ہے!

اس پر انگریزی روزنامے ''پاکستان ٹائمز'' نے بھی ''An Austere Marriage'' کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا اور جناب م ش نے تو اپنی ڈائری (نوائے وقت ۳۰/اگست ۱۹۸۱ء کے کالم) میں مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور ''ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!'' کی سرخی جمائی(۱)۔ اب جب کہ اس طور سے ''رسوائی'' ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کو کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے۔

شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روزافزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک وملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لیے تو یہ تقریبات و رسومات صرف ''چونچلوں'' یا پھر اپنے ''کالے دھن'' کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن عوام کی اکثریت کے لیے یہ ناقابل برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں، جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ''اُمّ الخبائث'' (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابل برداشت بوجھوں اور ان طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ لہٰذا آپ کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش اور آپ کے طریق کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والوں کا فرض عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں، خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

(۱) یہ کالم آخر پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس ضمن میں جہاں تک ’’سادگی‘‘ کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یعنی ’’سادگی‘‘ ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لیے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لیے بالکل اور! تو جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہوگی' اس کا حاصل و نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اس وقت پیش آیا جب ۱۹۶۶ء میں راقم نے لاہور میں دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا اور درس و مطالعۂ قرآن حکیم کے حلقے قائم کیے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آئے' ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسن ظن اور ایک گونہ عقیدت پیدا ہونی شروع ہوئی' جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نکاح خوانی کی فرمائشیں بھی آنی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی' لیکن جب فرمائشوں نے تقاضے اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اولین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے خطبۂ نکاح کو محض ’’جنتر منتر‘‘ بنا کر رکھ دیا ہے' حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو خطبۂ جمعہ کے ساتھ ’’خطابِ جمعہ‘‘ کا اضافہ کرنا پڑا تا کہ خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے ’’مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ‘‘ کے مطابق اس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اسے اضافی خطابِ جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے ’’خطبۂ نکاح‘‘ سے قبل ’’خطاب‘‘ کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی

تھی اور خاص طور پر حدیث مبارکہ ((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی' وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ ’’اتباعِ سنت‘‘ کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو ہمیں یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے۔[1] مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے' جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے' گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیے' یعنی دعوتِ ولیمہ۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوت طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیے' وغیرہ وغیرہ۔

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے' فوری تأثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس وعظ کی تائید و تصویب ہی نہیں' تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو ’’زمین جنبد نہ جنبد گل محمد‘‘ کے مصداق پرنالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس ’’لیک‘‘ سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آ گئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل کی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا عزم کیا۔ اس لیے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو' اب یا تو خود اس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان

(۱) یہ بات بہت زیادہ قابل توجہ ہے' اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ ’’اصلاح الرسوم‘‘ کے لیے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف ’’اتباع سنت‘‘ کا اصول ہے' اس کے سوا جو کوشش کی جائے گی وہ اسی طرح غیر مؤثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح ’’سادگی‘‘ کا وعظ۔

باتوں کا کہنا بھی چھوڑ دینا چاہیے۔ گویا بقول علامہ اقبال: ع

یا سراپا نالہ بن جا' یا نوا پیدا نہ کر!

خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا' وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا' انہوں نے برضا ورغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردّ و قدح اور طعن و استہزاء کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہوگئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہٖ تعالیٰ Charity begins at home والا معاملہ ہوگیا۔

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو' دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو' اور تیسرے یہ کہ بارات کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر ''میثاق'' لاہور کی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۴ء کے ''تذکرہ و تبصرہ'' کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چار ورقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) وہ من و عن درج ذیل ہے۔

۱...... ''جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لیے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں اور ان کے چہروں پر حقیقی تأثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربّ العالمین ﷺ کی لختِ جگر اور دخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو آنحضور ﷺ سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ سے افضل سمجھتا ہو اور اسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ اور دوسرے یہ کہ ہمیں شرم آنی چاہیے کہ

عیسائیوں نے' اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے' تاحال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نکاح کے لیے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے ہیں' حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازتِ ''ایجاب'' دیتا ہے۔ اس طرح جب لڑکی کا خود مجلسِ نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے؟ راقم کے خیال میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور مؤثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو اکثر لوگ تقریب نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضا و رضاعت آمادہ ہو جائیں گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں' یہ ہیں کہ اوّلاً نکاح کے بعد جو دعائے خیر دولہا اور دلہن کے لیے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں۔ اللہ کے کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوشحالی اور دین و ایمان کی سلامتی اور باہمی الفت و محبت کی دعا کی جائے تو امید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم دوچند ہو جائے گی' اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں' قناتوں' قالینوں' صوفوں اور کرسیوں اور رنگا رنگ قسم کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا جسے کسی اور نیک کام کے لیے صرف کیا جا سکتا ہے۔

۲...... نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اُترتی' لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے' یعنی یہ کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق مفصل ہدایات دے دی ہیں' یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے' تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضور ﷺ کی جانب سے' معاذ اللہ' کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ جب

آنحضور ﷺ نے شادی کے ضمن میں دعوتِ ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ ((بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى اِلَيْهِ الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِيْنُ)) (یعنی وہ دعوتِ ولیمہ بھی کیا ہی بری دعوت ہے جس میں صاحب حیثیت لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ ((اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا)) (جب تم میں سے کسی کو ولیمے میں بلایا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ ((فَمَنْ لَّمْ يَاْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ)) (یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہوگا اس نے گویا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا)۔ واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں ''مسلم شریف'' سے ماخوذ ہیں۔

پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسول ﷺ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟ یا کم از کم درجۂ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ اُن اصر اور اَغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرانا مقاصد نبوت میں شامل ہے۔

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لیے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لیے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے، لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا)۔ لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساس اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اُتر گیا، لیکن صحیح معنوں میں ان کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لیے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہل خانہ اشکبار ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و

نعم سے پلی ہوئی بچی، بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں۔ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہر حال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے۔ ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناءتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے۔ ایک غیرت مند اور باہمت انسان کے لیے یہ چیز، الا آنکہ ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابل حذر رہے۔

۳...... اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشّمس ہیں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (eliminate) کر دیا جائے تو خود بخود بارات کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کیے جانے کے لائق، بلکہ صد لائق! خدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کے پورے ذخیرے یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ ''بارات'' کیا جا سکے۔ اور جس طرح یہ لفظ خالص، عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے کہ، ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ ''چڑھائی'' کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر ''فاتحانہ'' انداز سے لوٹنا، جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیے۔

بارات کا متذکرہ بالا تصور نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے، بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی لیے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رعب جھاڑتے ہوئے بطرز استحقاق پلاؤ زردہ اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں ''مالِ غنیمت'' سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و

مروّت‘ وقار ومتانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس ولحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہرحال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (unholy trio) ہے جو مل جل کر ایک وحدت بن گئی ہے‘ یعنی عیسائیوں کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی (تین میں ایک اور ایک میں تین) اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضربِ کاری لگائی جائے‘ ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی ازسرنو زندہ کرلیں گے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھائے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار بھی!‘‘

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کرلیں گے‘ لیکن جب موقع آئے گا تو ’’مجبوریوں‘‘ کا ایک کوہِ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہٰذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا ’’میثاق‘‘ کے صفحات میں اعلان بھی کردیا اور جامع مسجد خضراء سمن آباد کے اجتماعِ جمعہ میں بھی۔ وہ تین فیصلے یہ تھے کہ:

(۱) راقم الحروف آئندہ نہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔

(۲) نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔

(۳) نہ کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت کی صورت پیدا ہوئی‘ لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوتا۔ الحمدللہ کہ میرے رفقاء واحباب میں بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کرلی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کرلیا جس میں میری شرکت ہوگئی۔

بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارا کرلیا اور ان کی ’’مجبوریوں‘‘ کے پیشِ نظر میں نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں شکر رنجیاں بھی ہوئیں‘ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں‘ لیکن الحمدللہ والمنۃ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔

اس معاملے میں میرے لیے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں‘ لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کردی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا‘ یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آ گئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کھینچ تان کر کے بھی ’’بارات‘‘ کے لفظ کا اطلاق کیا جاسکتا!

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لیے جو ’’بارات‘‘ کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی‘ یعنی دولہا‘ اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی (راقم خود اُن دنوں دعوتی وتنظیمی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا)۔ دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس ’’بارات‘‘ میں شامل نہ تھی۔ پھر یہ کہ جس جمعہ کو نماز جمعہ کے متصلاً بعد عقد نکاح ہونا تھا‘ اسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اسی شام دلہن کو لے کر لاہور واپس ہوگئے۔ دوسری طرف رفیق مکرم قاضی عبدالقادر صاحب نے (جن کی بچی سے عقد نکاح ہونا تھا) راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ واقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچی

کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بحمد اللہ سالِ رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طور سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اسی سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا' راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م ش نے ازراہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ ''میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کیے وہ انمٹ تھے''۔ اس میں راقم نے ایک تو آنحضور ﷺ کی اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ کے الفاظ قرآنی میں بیان ہوئی ہے' حاضرین کو جرأت مندانہ اقدام کی ترغیب دلائی تھی اور دوسرے سورۃ الانشراح کی آیات مبارکہ ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦﴾ کے حوالے سے تَحْدِيثًا لِلنِّعْمَة عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس اخروی اجر وثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝٢٤﴾ (القصص) اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ' وہ آسانی اور سہولت ہے جس کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی ان پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور و معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لیے نچوڑ دیتا۔ نتیجتاً اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لیے نہ میرے پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت وصلاحیت۔

یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم وجان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دین متین

اور بالخصوص اس کی کتاب عزیز کی خدمت کے لیے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباع سنت کے اس رخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے ''اِصر'' اور ''اَغلال'' کے خلاف جہاد کا بیڑا اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرما دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اللہ تعالیٰ کے عظیم وعدوں' یعنی ﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝٨﴾ (الاعلیٰ) اور ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝٧﴾ (الّیل) کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرانی کا احساس تک نہیں ہوا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة !!

جہاں تک ''جہیز'' کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداءً میں نے اس کے ضمن میں صرف ''عدم نمائش'' پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور رفقاء واحباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجودہ زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق ''جہیز'' کا اطلاق نہیں ہو سکتا' تاہم حالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدرِ مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے۔

خدا گواہ ہے کہ سطورِ بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ ''عُجب'' کو دخل ہے نہ ہی اس سے ''تعلّی'' مقصود ہے۔ ان تمام تفاصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید وتوفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات ولوازمات کے طومار کے ''اِصر'' اور ''اَغلال'' کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۝۝

خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اَمَّا بَعْدُ : فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّكُلَّ ضَلَالَةٍ فِى النَّارِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①﴾ (النساء)

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ كَمَا وَرَدَ فِىْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾

وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ كَمَا وَرَدَ فِىْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧١﴾﴾

قَالَ النَّبِىُّ ﷺ : ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ))

وَقَالَ ﷺ : ((فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ!))

وَقَالَ ﷺ : ((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِى الْمَسَاجِدِ))

حضرات گرامی! یقیناً آپ حضرات کو بہت سی مجالس نکاح میں شرکت کا موقع ملا ہوگا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہوگا کہ بالعموم خطبۂ نکاح یا تو اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ صرف دولہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اس کو سن پاتے ہیں' یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہوا اور لاؤڈ سپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبۂ نکاح کو تمام ہی شرکاء سن لیتے ہیں اور ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبۂ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں۔ لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نابلد ہوتی ہے' لہٰذا ان لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم ومطلب کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان آیات کا خطبۂ نکاح کے لیے کس عظیم مصلحت وافادیت کے پیش نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط وتعلق ہے اور خاص طور پر ان آیات میں اس دولہا کے لیے کیا نصائح' ہدایات' تذکیر اور رہنمائی موجود ہے جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کی جو اصل غایت ہے' وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے تھے' اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی' تو آنحضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع ومحل کی مناسبت سے آپؐ عموماً کچھ تذکیر ونصیحت فرماتے تھے تاکہ دین کے اہم امور کی یاد دہانی ہو جایا کرے۔

خطبۂ جمعہ کی حکمت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبۂ جمعہ کی غرض وغایت بھی یہی تذکیر (یاد دہانی) ہے۔ مسلم

شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعہ میں قرآن حکیم کی قراءت اور لوگوں کو تذکیر فرمایا کرتے تھے: يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔ اسی طرح خطبۂ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر ونصیحت اور موعظتِ حسنہ ہے' ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے عروس کی رضامندی اس کے وکیل کے ذریعے معلوم ہونے پر گواہوں کے سامنے اعلانِ عام کے ذریعے نکاح خواں ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لیے کفایت کرتا ہے۔

انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں' تسلیم کرتا ہوں' لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور ان کو اجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبۂ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں' لہٰذا خطبۂ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی' زبانِ یارِ من ترکی ومن ترکی نمی دانم والا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ایک مسلک کی طرف سے خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ: مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ یعنی اگر کوئی چیز بتمام وکمال نہ مل سکے تو اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیے بلکہ جو کچھ حاصل کیا جا سکے وہ ضرور حاصل کر لینا چاہیے۔

خطبۂ نکاح کی حکمت

پس خطبۂ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لیے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لیے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ معاشرے کے لیے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو' اور اس کو اس نہج پر منظم کیا جائے جو

ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہوگی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صالحیت کا حامل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو' وہ صحیح خطوط پر استوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہوگا۔ لیکن چونکہ دولہا جس کو تذکیر ونصیحت اصلاً مقصود ہے' عربی سے نابلد اور شرکاء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں' عربی سے ناواقف ہوتے ہیں' چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ خطبۂ نکاح بھی محض ایک ''رسم'' بن کر رہ گیا ہے۔ (ع ''رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی!'')

خطبۂ نکاح کے ضمن میں آنحضور ﷺ کا معمول

نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ خطبۂ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے۔ سورۂ قٓ کا اختتام ہی تذکیر بالقرآن کے تاکیدی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝۴۵﴾ ''پس (اے نبیؐ!) تذکیر کرائیے قرآن کے ذریعے سے اس کو جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو!''

ابھی میں نے آپ کو خطبۂ جمعہ کے متعلق حدیث سنائی تھی کہ اس میں نبی اکرم ﷺ قرآن حکیم کی قراءت اور لوگوں کو تذکیر فرمایا کرتے تھے۔ سیرتِ مطہرہ میں نبی اکرم ﷺ کا یہی معمول خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ میں نے خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن کی جن آیات کی قراءت کی ہے' روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نکاح میں عموماً ان ہی آیات کی قراءت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے ہی ان آیات کی قراءت کی حکمتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصول برکت کے لیے چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورۃ الفاتحہ ہونی چاہیے جو اُمّ القرآن بلکہ بجائے خود ''قرآن عظیم'' ہے' یا سورۃ الاخلاص ہونی چاہیے جس کو نبی اکرم ﷺ نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں

ہے۔اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قراءت محض حصولِ برکت یا روایت کے طور پر نہیں ہے' بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے نبی اکرم ﷺ خطبۂ نکاح میں عموماً سورۃ النساء کی پہلی آیت' سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ اور سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰'۷۱ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔مجلس نکاح میں ان آیات کی قراءت سے دراصل وہ تذکیر ونصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لیے نشانِ منزل اور موجب رہنمائی ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ مجلس نکاح میں صرف خطبۂ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ ان احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے جو قرآن حکیم کی ان آیات میں مضمر ہیں اور جن کی بطور تذکیر نبی اکرم ﷺ قراءت فرمایا کرتے تھے۔میں آگے جب ان آیات کی مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو' اِن شاء اللہ' نکاح کے موقع پر ان آیات کی قراءت کی حکمتیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔

ہمارے دین میں تقویٰ کا مقام

ان آیات کی تشریح وتفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کراؤں کہ ان آیات میں لفظ تقویٰ بہ تکرار آیا ہے۔لفظ تقویٰ ہمارے دین کی اہم ترین اصطلاحات میں سے ایک ہے۔اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ ومفہوم کسی دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔قرآن مجید کے اردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر ''پرہیزگاری' ڈرنا اور بچنا'' کیا جاتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے بھی ان معانی ومفاہیم کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا' جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔اس لفظ کی شرح حضرت ابی بن کعب ؓ نے بڑی وضاحت وصراحت اور بہت ہی قابل فہم انداز میں فرمائی ہے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے لفظ ''تقویٰ'' کا مطلب دریافت فرمایا۔اس کے جواب میں حضرت ابی بن کعب ؓ نے یہ تشریح بیان کی کہ:

''یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس

کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستے کو یوں طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں۔ اسی احتیاطی رویے کو عربی میں ''تقویٰ'' کہتے ہیں۔'' (اَوْ کَمَا قَالَ)

فاروق اعظم ؓ نے اس تشریح ومفہوم کی تصویب وتوثیق فرمائی اور حضرت ابی ابن کعب ؓ کو داد بھی دی۔حقیقت یہ ہے کہ ہماری دُنیوی زندگی کی پگڈنڈی پر ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات' لذات اور معاصی کی خاردار جھاڑیاں موجود ہیں۔اثم وعدوان کی ترغیبات وتحریصات کا کوئی شمار نہیں۔ایک بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام' نگاہِ کرم' نظر ترحم اور جزا کے شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہوا جب زندگی گزارتا ہے تو اس رویے اور طرزِ عمل کا نام ''تقویٰ'' ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت وتاکید کی گئی ہے۔خطبۂ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں ان میں اسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت وحکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت

سورۃ النساء کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ سورۂ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید کی انتہائی جامع سورت ہے۔خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورۂ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایات آئی ہیں۔اس کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصاً گھریلو زندگی کے لیے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔لہٰذا اب آیئے اس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں' فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ﴾: ''اے بنی نوع انسان! اپنے اس ربّ (پروردگار اور پالن ہار' ہادی ومربی) کا تقویٰ اختیار کرو'۔اس کی پکڑ اور اس کے محاسبے اور اس کی سزا سے ڈرتے رہو! کیونکہ تم کو اس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کی جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اُس قول کی جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے' جواب دہی کرنی ہے۔

بحوائے آیت قرآنی: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق) آیت کے اس حصہ میں نوعِ انسانی کو اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے۔ یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے' بلکہ نبی اکرم ﷺ نے تو تقویٰ و پرہیزگاری کو ''رأس الحکمۃ'' قرار دیا ہے: ((رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ)) [1] دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ آگے فرمایا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج﴾

''(اپنے اس رب کی پکڑ اور محاسبے سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی جان میں سے اس کا جوڑا بنایا' اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔'' (مراد ہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حوا جن سے یہ پوری نسلِ انسانی چل رہی ہے)۔

اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کاملہ اور تخلیق تامہ کے حوالے سے نوعِ انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے' کیونکہ جو حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مربی اور خالق ہے اسی کا یہ استحقاق ہے کہ اس کی نافرمانی سے بچا اور اس کی سزا سے ڈرا جائے۔ اس آیت کریمہ کے ابتدائی حصے میں اس اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی ہے کہ پوری نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حوا) کی اولاد ہیں۔ گویا وحدتِ انسانی کی جو دو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیت سے بیان فرما دی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینشِ عالم سے تا حال پیدا ہوئے اور جو تا قیامِ قیامت پیدا ہوں گے' ان کا رب اور خالق صرف اللہ ہے اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذریت حقیقی اور ایک ہی گھرانا ہے۔ دنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے [2] دولت و ثروت اور

---

(۱) حکمت کی اساس خوفِ خدا ہے۔

(۲) اس کو قرآن حکیم صرف تعارف کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اس کی امر واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں' کیونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات میں مزید وضاحت سے بایں الفاظ بیان فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنایا ہے' تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا خبردار ہے۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تفوق اور تفاخر کا زعم' زعمِ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت و کرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آگے چلیے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط﴾ ''اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطعِ رحم سے!'' غور کرنا چاہیے کہ اس آیت مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی تکرار کیوں ہے! ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دار و مدار تقویٰ ہی پر ہے۔ تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم و تعدی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دین داری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولنے والا ڈنڈی مارے گا' ناپنے والا کمی کرے گا' تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا' ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے بازار میں اس کی مصنوعی قلت پیدا کرے گا اور پھر منہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ اگر لوگوں میں تقویٰ نہیں ہے تو غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے' مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی

کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی صحیح نہج پر استوار نہیں ہو گی۔ لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ اہم تر ہے۔ اگرچہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عمل داری ہو سکتی ہے' پولیس کا عمل دخل ہے' عدالتوں کا عمل دخل ہے' کسی پر ظلم و زیادتی ہوئی ہے تو دادرسی کے لیے عدالتوں کا کنڈا کھٹکھٹایا جا سکتا ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عمل داریاں مؤثر بھی ہو سکتی ہیں' لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ان کا عمل دخل بہت ہی کم ہے۔

گھر کی چار دیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو تبھی معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچیے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک نگران مقرر کیا جا سکے جو دیکھتا رہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی' ایک دوسرے کے حقوق پامال تو نہیں ہو رہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے' اٹھتے بیٹھتے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے' طعن و تشنیع کو اس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اُس کے آڑے آ سکتا ہے اور کون سی پولیس ہے جو اسے اس سے باز رکھ سکتی ہے! پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور و ادراک اور ایمان و ایقان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸﴾ (قٓ) ''انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار ہوتا ہے!'' یہ احساس اگر ہو گا تو دونوں فریق یعنی شوہر اور بیوی اور ان کے اعزہ و اقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساس ذمہ داری سے بجا لائے گا اور بیوی کے حقوق بحسن و خوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجا لائے گی۔ اعزہ و اقارب بھی اپنے اپنے ان فرائض و حقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعت حقہ نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ لہٰذا عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گرہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون و اطمینان سے

چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

اب آیئے! آیت کریمہ کے اس حصے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے اب تک وَاتَّقُوا اللّٰهَ پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ اس آیت میں تقویٰ کا حکم بہ تکرار کیوں آیا ہے۔ آیت کا پورا ٹکڑا یوں ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ ''اور ڈرو اُس اللہ سے جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے!'' یہاں بڑا لطیف اور مؤثر انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ اکثر جب کہیں گھریلو معاملات میں ناچاقی ہو جائے تو عدم موافقت اور اختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لیے بالآخر خدا کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ خاندان کے بزرگ دونوں فریقوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ''خدا کے واسطے باز آ جاؤ' خدا کے لیے مان جاؤ' اختلافات ختم کرو' صلح صفائی کر لو' خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دو' خدا کے لیے آئندہ احتیاط کرو' ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو' خدا کے لیے درگزر سے کام لو' وغیرہ'' تو جس خدا کا تم کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دہائی دیتے ہو' اگر اس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو' اس کے احکام پر کاربند رہو' جو حدود اس نے معین کی ہیں ان پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہونے کی صورت بہت کم ہو جائے گی' اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر نمٹ بھی جائیں گے اور طے بھی ہو جائیں گے۔

پس جس خدا کا تم واسطہ دیا کرتے ہو' اس کے احکام' اس کے اوامر و نواہی اور اس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو۔ یہی اصلاً تقویٰ کی روش ہے' یہی دین میں مطلوب ہے اور اس روش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھریلو جھگڑے اول تو کھڑے ہی نہیں ہوں گے اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے۔

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: وَالْاَرْحَامَ ''اور قطع رحمی سے بھی بچو!'' رحمی رشتوں کا احترام اور ان کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمی رشتوں کو کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسلام کو ایک بہت ہی منظّم اور صالح معاشرہ قائم

کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بطور نظام نازل فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جس میں باہمی الفت ہو، مودّت ہو، ایک دوسرے کے لیے ہمدردی ہو، ایک دوسرے کے لیے اخوت اور ایک دوسرے کے لیے احترام واکرام کا جذبہ موجود ہو۔ اسی مقصد کے لیے اس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے۔ اس خاندان کے ادارے کے دو عرض (dimensions) ہیں۔ ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے، دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے۔ لہٰذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر استوار کر لیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا، اور اگر کسی معاشرے میں معتد بہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہو گا اور ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر روبہ عمل آئیں گی اور ان کا کاملاً ظہور ہو گا۔ والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآن حکیم میں بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کر کے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ میں فرمایا: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔“ سورۂ لقمان کی آیت ۱۴ میں فرمایا: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ ”تو میرا شکرگزار بن اور اپنے والدین کا بھی!“ اس سے اندازہ کیجیے کہ والدین کے حقوق کی کس قدر اہمیت و تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے ملحق کر کے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و الفت اور مودّت کا صحیح تعلق قائم ہو۔ دونوں اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو جس کی برکت سے ان شاء اللہ کوئی نزاع پیدا ہی نہیں ہو گا۔ یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض۔ تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور ان کے حقوق کا لحاظ اور ان کی ادائیگی۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ

دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر آئے گا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (بنی اسراءیل: ۲۶) یہاں وَالْاَرْحَامَ فرما کر ان تمام رحمی رشتوں کی پاس داری کرنے، لحاظ رکھنے، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور ان کی پامالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①﴾ ”بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے!“ یعنی جان لو کہ تمہارا ایک ایک عمل اللہ کی نگاہ میں ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمہارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہو گا اور تمہارے اعمال و اقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا۔ بلکہ جیسا کہ میں سورۃ قٓ کی یہ آیت دوبارہ آپ کو سنا چکا ہوں کہ: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ⑱﴾ جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ لکھنے والے موجود ہیں جو اس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورۃ الانفطار میں فرمائی: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ⑩ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ⑪ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫﴾ ”اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں۔“

مغربی تہذیب کا المیہ

خدا فراموشی اور ہدایت ربانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے، ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتا ہی نہیں۔ ہم ان ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ ”دُور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں“ کے مصداق ان کے ٹھاٹھ باٹھ اور تمدنی ترقی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں ان کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سکھ، چین اور سکون و اطمینان ہے۔ حالانکہ اس خدا ناآشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدا فراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دور دورہ ہے، لہٰذا شادی بیاہ کا بکھیڑا کون مول لے۔ جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے، وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں، تو

اُن میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت وعفت کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہے تو بیوی شوہر سے بیزار اور اس کے باوفا ہونے کے بارے میں شکوک میں مبتلا۔ مزید برآں اوّل تو مانع حمل تدابیر سے اولاد کے جھمیلے سے بچاؤ ہوتا ہے' لیکن کسی کو اگر اولاد کی چاہت ہوئی بھی تو اکثریت کے بچے نرسریوں (Nurseries) میں پرورش پاتے ہیں۔ لٰہذا محبت مادری اور شفقت پدری سے یکسر محروم اس اولاد کے دل والدین کی محبت اور احترام سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں اولاد کی محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے' لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کجا' ان سے ملنے اور ان کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لیے بھی ان کے پاس فرصت اور وقت ہی نہیں۔ بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لیے سالوں ترستے رہتے ہیں۔ وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لیے جن کی بیویاں یا شوہر وفات پا چکے ہوں اور جو تنہا رہ گئے ہوں' ہاسٹل قائم ہیں تاکہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں۔ یہ ہے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلد ہیں اور اس کی تمدنی ترقی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں' جن کے ذہن وقلب اس خدا ناآشنا تہذیب سے مرعوب ہیں' پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لاڈ پیار سے پالا پوسا تھا' اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی' جس کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا' وہ اولاد ان کے حقوق سے قطعاً ناآشنا ہوتی ہے۔ ان میں سے اکثریت کو مکافاتِ عمل کے اسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ لوگ اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد بڑھاپے میں ان کے پاس بیٹھے' ان کو کچھ وقت دے اور ان کی دل جوئی کرے۔ جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناروا رویہ اور سلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے

ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایت ربانی کو پس پشت ڈالنے کی نقد سزا جو دنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے۔ آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں' وہ علیحدہ ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح میں نبی اکرم ﷺ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ کی بھی قراءت فرماتے تھے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲﴾

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم (اللہ کے) فرمانبردار ہو۔"

غور فرمائیے کہ اس آیت میں بھی اہل ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس حکم کو مؤکد کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی نوعیت کا مطلوب نہیں' بلکہ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی شان والا تقویٰ درکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے' لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سنی تو وہ لرز اٹھے۔ وہ جانتے تھے کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے فریاد کی کہ ہم میں سے کون ہوگا جو تقویٰ کا پورا حق ادا کر سکے! اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنین صادقین کی دل جوئی اور اطمینان کے لیے سورۃ التغابن میں وضاحت فرمائی کہ: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (آیت ۱۶) یعنی انسان حد استطاعت تک ہی مکلّف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے' شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے مجتنب رہے تو بربنائے طبع بشری اس سے جو لغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل معاف فرما دے گا۔ لیکن کس کو

کتنی استطاعت ملی ہے‘ اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ بندہ اگر اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی نہیں تو جان لیجیے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سے لازماً سابقہ پیش آ کر رہے گا‘ اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔

خطبۂ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قراءت کی حکمت بادنیٰ تأمل سمجھی جا سکتی ہے۔ میں نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث آپ کو سنا چکا ہوں کہ: ((رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ)) نیز میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک بندۂ مومن جادۂ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی بیان کر چکا ہوں۔ ان تمام امور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجیے کہ خاندانی اور عائلی زندگی میں تقویٰ ایک مسلمان کے لیے کتنی عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا خطبۂ نکاح کے موقع پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لیے مشعل راہ بن سکتی ہے اور اس کو زندگی کے اس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کتنی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھوں پر آ رہا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی کی اس نئی راہ کے لیے اس کا اصل زادِ سفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

آگے چلیے! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ: ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲﴾ زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلت عمر لے کر آیا ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرما دی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے‘ بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی روش ہی پر جینا اور مرنا ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے‘ امنگوں اور ولولوں کا زمانہ ہے‘ لہٰذا ابھی تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دور ہے۔ نہیں‘ ہرگز نہیں! تم کو کیا معلوم کہ قضائے الٰہی کب آ جائے اور کب مہلت عمل ختم ہو جائے۔ لہٰذا زندگی کے ہر ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا

عزمِ مصمم رکھو اور اطاعت شعاری کی روش ہمہ وقت اختیار کیے رکھو‘ تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے‘ اور وہ اچانک بھی آ سکتا ہے‘ تو اس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۴﴾ (العنکبوت)۔

سورۃ الاحزاب کی دو آیات

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبۂ نکاح کے آخر میں نبی اکرم ﷺ سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قراءت فرمایا کرتے تھے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝۷۰ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝۷۱﴾

’’اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سدھار دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔‘‘

غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النساء کی پہلی آیت میں دوبار اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ میں حَقَّ تُقٰتِہٖ کی تاکید کے ساتھ ایک بار آ چکا ہے۔ اب اس آیت میں اس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دولہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گرہستی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ‘ ہر لحظہ اور ہر قدم پر ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ گویا عائلی زندگی کی مسرت و راحت اور سکون و اطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی روش پر ہے۔ اس کے بغیر یہ متاہل زندگی باعث راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعث کلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیت کریمہ میں دوسرا حکم ہے: ﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝۷۰﴾ ’’اور بات کرو درست اور سیدھی‘‘! میں منہ سے نکلنے والی بات کی اہمیت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر

اس حکم ربانی کی حکمت کی تفہیم کے لیے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

زبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلق

آپ یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلقات میں نفرت اور بیر کا بیج بونے اور پھر اس کو نشوونما دینے اور دلوں میں زہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کو ''**حصائد الالسِنة**'' سے تعبیر کیا ہے' یعنی یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں' جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اس کا غلط استعمال ہو تو یہی بات بہت سی خرابیوں' برائیوں اور تعلقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عربی کی کہاوت ہے کہ: ''تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا!'' ہم میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہو گا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں' لیکن زبان کے گھاؤ کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا مشکل' بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ زبان کا گھاؤ براہ راست دل پر جا کر لگتا ہے' جس کے اِندمال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوہر اور بیوی' ساس اور بہو اور اعزہ و اقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں' ان کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیداً اور قولِ حسن کی اہمیت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل سے لیے جانے والے جس عہد و پیمان اور میثاق کا ذکر ہے اس میں زبان کا صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ﴾ (آیت ۸۳)

یاد کرو! اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا' ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک

سلوک کرنا اور لوگوں سے درست اور بھلی بات کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔''

زبان کے غلط استعمال کی ممانعت

معاشرتی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیے گئے ہیں اور ان تمام مفاسد کے انسداد کے لیے ہدایات دی گئی ہیں جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔ ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے۔ وہاں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪﴾

''اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔''

اسی سورت کی اگلی آیت کے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شناعت کو ظاہر کرنے کے لیے وہ تشبیہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہ دینا ممکن ہی نہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ﴾ (آیت ۱۲)

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اس سے تو تم خود گھن کھاؤ گے۔''

خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ان آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے ان کا تعلق

زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تمسخر کرنا ہو‘ مذاق اڑانا ہو تو اس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا‘ کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنا‘ یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں‘ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں‘ لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ’’آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ‘‘! لفظ ’’لمز‘‘ بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا‘ چوٹیں کرنا‘ پھبتیاں کسنا‘ الزام لگانا‘ اعتراض جڑنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ﴾ ’’کسی کو برے القاب سے مت پکارو‘‘۔ کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو چڑانے کے لیے کوئی نام رکھ دیا‘ جس کو عرف عام میں ’’چڑ‘‘ یا چھیڑ کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا‘ کسی کو لنگڑا‘ لولا‘ کانا‘ اندھا اور بہرا کہہ دیا‘ کسی کو اس کے اپنے یا اس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیر حقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا‘ یا کسی کو تمسخر اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقاب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہہ دے کر اُس کی شناعت ظاہر کی گئی ہے۔ غیبت پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے۔ اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جا رہی ہوتی ہے‘ اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اس کی عزت و وقار کو مجروح کیا ہے‘ اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھئے کہ ایسے تمام افعال کو ’’فسق کا نام زبان پر لانا‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالت الٰہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا۔ ﴿بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ﴾ سورۃ الحجرات کی ان آیات میں جن برائیوں اور گناہوں کے لیے نواہی (اجتناب کرنے‘ بچنے‘

رکنے) کے احکام آئے ہیں یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھریلو زندگی میں بڑا چلن ہے۔ کھانے کے دستر خوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہمز ولمز‘ تنابز بالالقاب‘ تمسخر و استہزاء اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو انہی برائیوں کا ارتکاب ہوگا۔ کسی کا چھیڑنے کے لیے نام رکھ چھوڑا ہے‘ کسی کو طعنہ دے دیا ہے‘ کسی کا مذاق اڑا دیا ہے‘ کوئی چبھتا ہوا فقرہ کس دیا ہے‘ کسی کی چغلی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لیے light mood میں کہی جاتی ہیں اور اکثر آدمی ان کو ہنس کو ٹال بھی دیتا ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو‘ اس کی اس وقت ایسی ذہنی ونفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگانے کا سبب بن جائے اور ایسا گھاؤ ڈال دے جس کا اِندمال ممکن نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی ہدایات

میں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سنا دوں جن سے آپ کو اور خاص طور پر دولہا اور اس کے اعزہ و اقارب کو معلوم ہو جائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے‘ ایسے لوگوں کے لیے کیا بشارت ہے اور زبان کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لیے عقوبت کی کیا وعید ہے!

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے‘ جو قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))

’’حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو مجھے (ان دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اس کے دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان)

اور جو اس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

ہم سب کے لیے اور خاص طور پر دولہا کے لیے اس حدیث میں بڑا سبق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تقاضے کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لیے جنت کی ضمانت اپنے ذمہ لی ہے۔

دوسری حدیث کے راوی ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور اس کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی کتب احادیث میں درج کیا ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے، جس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے اس سوال پر کہ ''اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایک ایسے عمل کی خبر دیجیے جو مجھ کو جنت میں داخل کر دے اور آگ سے دور رکھے'، جواب میں نبی اکرم ﷺ نے دین کے تمام امورِ مہمات کی تعلیم دی، جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت واطاعت، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صومِ رمضان اور حج بیت اللہ کے فرائض دینی بھی شامل ہیں۔ مزید برآں آپؐ نے نفلی روزے، صدقے اور نوافل بالخصوص تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی (highest virtue) جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا۔ ان امور کی تعلیم کے بعد آنحضور ﷺ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میری اس گفتگو سے براہ راست تعلق ہے، لٰہذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ثُمَّ قَالَ ((اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ؟)) قُلْتُ: بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ: ((كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا)) فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ؟ فَقَالَ: ((ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ))

''پھر (نبی اکرم ﷺ نے) فرمایا: (اے معاذؓ!) کیا میں تجھ کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر اس (دخولِ جنت) کا مدار ہے؟'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا نبی اللہ! پس آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ لی اور فرمایا: اس کو تو بند کر لے!'' میں نے عرض کیا کہ

اے اللہ کے نبی! کیا ہم اس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے جو ہم بولتے ہیں؟ فرمایا ''گم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذؓ! لوگوں کو آگ میں ان کے منہ کے بل یا ناک کے بل ان کی زبانوں کی کھیتیاں ہی گرائیں گی''۔ یعنی زبانوں کی کھیتیاں ہی ہوں گی جو وہ آخرت میں کاٹیں گے۔

مقامِ عبرت

ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے اور طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اجڑ جاتے ہیں اور وہ معلق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں، کتنے ہی مرد و عورت ہیں جو بے راہ روی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے، وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کا علاج سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ کے لیے تجویز فرما دیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو۔'' اس تقوائے الٰہی اور قولِ سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا: ﴿يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ﴾ جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا ظاہر ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا۔ اس کی زندگی دورنگی نہیں ہوگی، جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لیے بڑا خوش مزاج، بااخلاق، حلیم و شفیق اور خلیق ہے، لیکن گھر والوں کے لیے فرعونِ بے سامان بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسولؐ کو ایسے دورخے، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے تو گھر والوں، بیوی بچوں، ماں باپ اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں یہ روایت درج کی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))

''حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا ہوں!''

یہی روایت امام ابن ماجہؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع واعلیٰ مقام ہے۔

اطاعت کے لوازم

سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل ہیں۔ چنانچہ آخر میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرلے گا، وہی کامیاب قرار پائے گا اور اسے وہ کامیابی حاصل ہوگی جو بڑی عظیم کامیابی ہے۔''

حضرات! نبی اکرم ﷺ خطبۂ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قراءت فرمایا کرتے تھے، میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کردی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیات مبارکہ میں بیان ہوئیں۔ اور ان میں ہم سب کے لیے اور خاص طور پر دولہا کے لیے وہ تذکیر، نصیحت، ہدایت اور رہنمائی موجود ہے جن کو زندگی کے

ہر معاملہ اور ہر موڑ پر، بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو، ان شاء اللہ، اس کی برکت سے خاندان بھی خوش وخرم رہے گا، اس میں سکون واطمینان کی فضا قائم ودائم رہے گی، اور اس کا عکس ہمارے معاشرے میں مترتب ہوگا جو نظامِ اسلامی کے نفاذ وقیام اور استحکام میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

نکاح سنت رسولؐ ہے

حضرات! ہمارے علماء وخطباء نکاح میں ان آیات کی قراءت کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں۔ عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے۔ اچھی طرح جان لیجیے کہ یہ دو حدیثوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں، مکمل احادیث نہیں ہیں۔ پہلا ٹکڑا اس حدیث کا ہے جس کو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ)) ''نکاح میرا طریقہ اور میری سنت میں سے ہے!'' اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصور کی نفی اور تردید کی جارہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے۔ رہبانیت کا یہ تصور آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت، جین مت، ان میں بھی یہ تصور مشترک ملے گا کہ یہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرد کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لیے رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت دونوں کے لیے تجرد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ وارفع مقام دیا جاتا ہے۔ ان مذاہب کے معاشرے میں نکاح کرنے والے دوسرے درجہ کے شہری (second rate citizen) شمار ہوتے ہیں، کیونکہ شادی بیاہ کے کھکیڑ میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گرادی ہے۔

ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے

نبی اکرم ﷺ نے اس تصور کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے‘ قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے۔ میں جو دین لے کر آیا ہوں وہ دین فطرت ہے۔ یہ دین انسان کے کسی بھی طبعی اور فطری تقاضے پر کوئی غیر فطری قدغن عائد نہیں کرتا‘ نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تقاضوں کو بالکلیہ کچل دیا جائے۔ اس کے برعکس ہمارا دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر channelize کرتا ہے۔ ان کا جو صحیح مصرف ہے‘ اس کے لیے اس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لیے اپنی انفرادی سطح پر بھی بھلائی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے۔ لہٰذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح‘ جائز اور مفید طریقہ ہے اس کے لیے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے‘ جیسے نکاح۔ البتہ وہ غلط راستے بند کرتا ہے‘ جیسے زنا‘ آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کے لیے موجب شر اور معاشرے کے لیے موجب فساد ہوتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکیداً منع کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ اپنی مراسیل میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)) ’’اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے!‘‘ یہاں جو ’’لَا‘‘ استعمال کیا گیا ہے‘ وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لائے نفی جنس کہلاتا ہے‘ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہوگئی۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ ((......فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))’’جو میری سنت کو ناپسند کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘

ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیر اثر‘ چاہے وہ ہندوانہ تصورات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات‘

ہماری اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ وارفع نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آ جاتے ہیں کہ فلاں بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد و زاہد تھے‘ انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی۔ گویا اس بزرگ کا شادی نہ کرنا ایک قابل مدح و تعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچیے کہ اس بات کی زد غیر محتاط انداز میں اور غیر شعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ ع ’’ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں‘‘ اس کی زد پڑ رہی ہے نبی اکرم ﷺ پر۔ اگر شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا کوئی قابل تحسین کام ہے‘ کوئی اعلیٰ وارفع عمل ہے‘ زہد‘ عبادت اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے‘ تو (نعوذ باللّٰہ مِنْ ذٰلِكَ!) نبی اکرم ﷺ تو اس سے محروم رہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ ہمارے لیے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو مدح و تعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کوئی حقیقی مجبوری ہو‘ حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہٰذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجرد کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ: ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي)) اگر اس کے برعکس روش کو آپ نے مقامِ مدح قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرم ﷺ کے لیے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل اور اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں نے آپ کو سنایا کہ: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) وہ اسی: ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي)) کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی امت میں شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہر امتی کو نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اور سنت عزیز ترین اور محبوب ترین ہو۔ اگر وہ کسی سنت پر عمل کرنے سے معذور و قاصر ہو تو اس کو ملول و مغموم ہونا چاہیے‘ اس کو اپنی بدنصیبی سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ

حضور ﷺ کی سنت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ سے نہیں' چاہے وہ ایمان کا مدعی ہو' زبانی طور پر اس کے عشقِ رسول ﷺ کے بڑے بڑے دعوے ہوں' کتنا ہی وہ غلامِ نبی بنا پھرتا ہو۔ اگر اسے سنت رسول ﷺ ناپسند ہے اور وہ اسے کسی درجہ میں بھی لائق التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشق رسول ﷺ کے تمام دعوے جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ کا!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظ رغبت جب الٰی کے صلے (preposition) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا' اس کی طرف میلانِ طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رَغِبَ اِلٰی کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظ رغبت اردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عَنْ کے صلہ کے ساتھ آئے گا یعنی ''رَغِبَ عَنْ'' تو اس کے معنی کسی چیز کو ناپسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور روگردانی کے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں رَغِبَ عَنْ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو ناپسند کرنا' اور اس سے نفرت و روگردانی کرنا ہوگا۔

رشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم

حضرات! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمل طور پر بھی سنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) اس حدیث میں ہم سب کے لیے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراط مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے' یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا وَاَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ' قَالَ اَحَدُهُمْ:

اَمَّا اَنَا فَاِنِّيْ اُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا' وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ' وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا' فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ: ((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ' فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں کے گھروں پر تین آدمی نبی ﷺ کی عبادات کے متعلق پوچھنے آئے۔ جب ان کو اس کی خبر دی گئی تو انہوں نے گویا اس کو کم جانا اور کہنے لگے: ہماری نبی ﷺ کے ساتھ کیا نسبت ہے' اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا' کبھی نکاح نہ کروں گا۔ پس رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا: ''تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم' میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں' لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ پس جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا' وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

لمحاتِ فکریہ

آخر میں یہ عرض کرنا میں اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف نکاح ہی سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو میں نے سنائیں اور جن سے یہ بات ہمارے سامنے بصراحت آ گئی ہے کہ یقیناً نکاح سنت رسولؐ ہے' لیکن قرآن حکیم نے نبی اکرم ﷺ کی پوری حیات مبارکہ کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ از روئے فرمانِ الٰہی: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱) معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی ہمارے لیے بحیثیت مجموعی سنت کا مقام و مرتبہ رکھتی

ہے۔لہٰذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہیے کہ نکاح کی سنت ہم نے ادا کر دی اور پھر حضورﷺ کے اس فرمانِ مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ: ((اَعْلِنُوْا ھٰذَا النِّکَاحَ وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ)) ’’نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو۔‘‘ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ٹھیک ہے رسول اللہﷺ کی ان سنتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی‘ وہ قابل مبارکباد ہیں۔لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہو گا کہ زندگی کے بقیہ معاملات میں سنت کے تقاضے کیا ہیں‘ نبی اکرمﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا ہے۔دین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے اور نبی اکرمﷺ کی تمام سنتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری دُنیوی و اُخروی اصلاح و فلاح اور نجات کا دارومدار ہے‘ جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۷۱ کے آخر میں فرمایا گیا کہ: ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔موقع نہیں ورنہ میں آپ کو ان میں سے چند آیات سناتا۔ پس اتنا جان لیجیے کہ اللہ کی اطاعت‘ رسولؐ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا: ((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ)) (متفق علیہ) ’’جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

سورۃ آل عمران میں سنت رسولؐ کے اتباع کا مقام اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متعین فرما دیا ہے اور اہل ایمان کے ساتھ اپنی محبت کو نبی اکرمﷺ کے اسوۂ کامل کے اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے: فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌe﴾

’’(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو‘ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا‘ اور اللہ بخشنے والا‘ رحم کرنے والا ہے‘‘!

یہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی

اکرمﷺ کا اتباع‘ آنحضورﷺ کی پیروی اور آپﷺ کی سنتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے‘ اور اس طرزِ عمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ بھی ایسے لوگوں سے محبت کرے گا اور ان سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بربنائے طبع بشری سرزد ہوں گی‘ ان کو معاف کر دے گا‘ کیونکہ وہ غفور بھی ہے‘ رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنت رسولﷺ کی پیروی لازم ہے۔نکاح بھی حضورﷺ کی سنت ہے‘ لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہو گا۔دعوت و تبلیغ دین بھی حضورﷺ کی سنت ہے۔لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضورﷺ کی سنت ہے۔فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سنت ہے۔مجاہدہ فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسول اکرمﷺ کی سنت ہے۔لوگوں پر دین کی حجت قائم کرنا بھی سنت ہے۔ دینِ حق کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس کام میں اپنا جان و مال لگانا‘ اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سنت رسول اللہ ہے۔معصیت کی ہر ترغیب و تحریص سے بچنا اور پوری زندگی میں‘ چاہے وہ سیاست ہو‘ تجارت ہو‘ ملکی انتظام ہو‘ بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلقات و معاملات ہوں‘ ان سب کو قرآن کی ہدایات اور نبی اکرمﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سنت ہے۔شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنت نہیں‘ بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرمﷺ کی سنت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ سنت ہیں۔

حرفِ آخر

حضرات! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبۂ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت میں مَیں تقریر ضرور کیا کرتا تھا‘ جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی

ہوتی جو نکاح کے خطبۂ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروّجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لیے کچھ مشوروں اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ کی شادی کے موقع پر میں نے طے کیا کہ جن اصلاحات کی طرف میں لوگوں کو متوجہ کراتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں' ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ع یا سراپا نالہ بن جا' یا نوا پیدا نہ کر! ۔ چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو ٹھیٹھ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ خالص ہندوانہ ہیں۔

میں نے ۱۹۷۳ء کے اواخر ہی میں میثاق میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تجارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس کے مساجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا' اسے لاہور یا پنجاب کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی' لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے' اس کے بارے میں یہاں تا حال سوچا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی ''میثاق'' میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے:

ا) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا' کیونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

ب) نکاح کے موقع پر کسی دعوت طعام میں شامل نہیں ہوں گا' کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ہے' جس کا نہ صرف ثبوت نبی اکرم ﷺ کا تاکیدی حکم بھی ملتا ہے۔

ج) نکاح کی کسی ایسی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

الحمد للہ والمنۃ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں[1]۔ میں آپ حضرات کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجیے' بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجیے جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا' جن کا ہمارے ہاں رواج ہے' جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم اور اسوۂ رسولؐ کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ''اور (ہمارا یہ نبی اُمیؐ) لوگوں پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے!'' پس نبی اکرم ﷺ کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے دین کو آسان سے آسان بنایا ہے۔ آپؐ نے ہدایت دی کہ ((يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) (متفق علیہ) ''آسانیاں پیدا کرو' مشکلات پیدا نہ کرو''۔ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے' جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ رسوم ہمارے ہاں جاری ہیں ان کو چھوڑنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ ہندوستان میں جن برادریوں اور خاندانوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے بجائے ان کے نام بدل دیے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے' اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات

(۱) نومبر ۱۹۷۸ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی پہلی بچی کی شادی ہوئی۔ موصوف نے اپنی بچی کو نہ خود زیادہ جہیز دیا اور نہ ہی اعزہ و اقارب اور احباب کی جانب سے دیے ہوئے تحائف قبول کیے اور نکاح کے بعد بچی کو مسجد ہی سے رخصت کر دیا۔ ان کے ہاں مہمانداری کی کسی نوع کی بھی کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ (ج ر)

میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل میوقوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب آ کر نکاح بھی پڑھاتے تھے اور پھر پنڈت جی آ کر پھیرے بھی ڈلواتے تھے' تاکہ پکا کام ہوجائے۔ آخر نسلاً بعد نسل جو چیز دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول کہنے سے بندھن بندھ گیا۔ اسی لیے وہ دولہا دلہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی لگواتے تھے اور اس طرح ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہوگیا ہے۔

اس بات پر تو آپ لازماً مسکرائیں گے یا اسے بہت ہی بعید از قیاس گمان کریں گے' لیکن جائزہ لیجیے کہ بعینہٖ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضور ﷺ کے طریقے پر ہو' لیکن بارات کا طومار ہے' جہیز کا انبار ہے' رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحبِ ثروت ہیں' وہ اپنی دولت وثروت اور امارت کے اظہار کے لیے پرانی رسموں ہی پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن بڑا زرخیز ثابت ہوتا ہے' حالانکہ ان تمام رسومات کی نبی اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کیے ہیں۔ مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرک دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کے جذبے سے زیادہ معاشرتی مجبوریاں تھیں' جن کی بنیاد پر فیصلے کیے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصور ختم کر دیا جائے' لڑکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو' وغیرہ۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبالیہ وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کو زندہ کیے ہوئے ہے۔ رسم پرستی کا جو بُت دل کے سنگھاسن پر براجمان ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرائے گا اور اسی کا کسی طرح ظہور ضرور ہوگا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جوں کی توں باقی ہیں' بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین نے صرف دعوتِ ولیمہ کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ ضرور کیا کرو' اور جس کو

ولیمہ میں بلایا جائے وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ جب غور کریں گے تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی لڑکے والوں کے لیے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ لڑکی والوں کے لیے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں' لیکن نگاہِ حقیقت بین سے دیکھیے تو بیٹی والوں کے لیے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچی کو پالا پوسا' اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو' معلومات کر لی ہوں' اطمینان کر لیا ہو' لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہوگا! مزاج ملیں گے یا نہیں' موافقت ہوگی یا نہیں' پتہ نہیں سسرال والوں کا سلوک کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچی کی رخصتی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں' بہنیں پچھاڑے کھا رہی ہوتی ہیں اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں' لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر اُن کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے' لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا' لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہیے' ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی! میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجیے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے' کہاں جائے' اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جوان بیٹیوں کو کیسے بیاہے!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بُت دلوں میں چھپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے۔ اس لیے میں آپ حضرات سے عرض کروں گا کہ اس بات

پر غور کریں کہ ہمارے سامنے شادی بیاہ کے لیے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ)) کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے' وہ سر آنکھوں پر اور جو چیز ثابت نہیں اس کو پاؤں تلے روندنے کے بجائے اگر ہم نے بسر وچشم قبول کیا تو اچھی طرح جان لیجیے کہ دین کے ساتھ ہمارا تعلق مخلصانہ نہیں' اور ہمیں اس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیے!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ
اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا' اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا
اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ...... آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ!

☆ — ☆ — ☆

AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appearred in PAKISTAN TIMES Lahore insertion of 29th August 1981).

"Unique and commendable austerity. True to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia-ul-Quran, Quran Academy, Model Town Lahore on Thusrday evening.

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the Jamia a few minutes before evening prayers, before the "Azan" they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran. After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the "Nikah" ceremony of Mr. Mohammad Saeed Asad with his daughter Amatul Mohsee. Whence the nikah ceremony was over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family".

ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!!

۲۷/اگست ۸۱ء جمعرات کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقدِ نکاح 'جامع القرآن' میں منعقد ہوا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب م۔ش نے اپنے مقبول ومعروف کالم ''م۔ش کی ڈائری'' میں نوائے وقت کی ۳۰/اگست ۸۱ء کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا اور پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو رپورٹ شائع ہوئی وہ درج ذیل ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

''ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے''۔ اس اصول کا عملی مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں اس وقت ہوا جب مشہور عالمِ دین اور مفسرِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی جملہ تقریبات عین سنتِ نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظِ حسنہ میں شرکت کی لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جو اثرات قبول کئے وہ انمٹ تھے۔

نماز مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیئے۔ قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوزِ داؤدی ابھر آیا تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک مختصر تقریر میں جہیز اور ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر خطبۂ نکاح پڑھا اور بس ان کی بیٹی سلمہا بیاہی گئیں۔ اور یہ تقریب درود وصلوٰۃ کے درمیان اختتام پذیر ہوئی۔

ہمارے ہاں شادی بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامہ، ایک مسلسل دردِسر اور اسرافِ بیجا کا نشان بن چکی ہیں، ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلیویژن سے کم وبیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں کا دردِ سر اور اسرافِ بیجا کا عمل غیر مختتم طور پر جاری رہتا ہے۔ لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندۂ خدا نے قول وفعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ اس پر گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو۔ آمین

ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل وکرم سے بھلے چنگے کھاتے پیتے آدمی ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھمکے، باجے گاجے، آتشبازی اور بجلی کے قمقموں کا جس پیمانے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے۔ ان کے ایسے نیاز مند ہیں جو ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پُر تکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے، لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنتِ نبویؐ سے سرِ مُو انحراف نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن اور خیر وخوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا۔

ہمارے معاشرے میں بیشمار بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پیلے اس لئے نہیں ہو سکتے کہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں۔ گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایانِ شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے۔ یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہلِ درد لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتابِ زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عملی اقدام اٹھانے کا سوچیں گے؟''۔

مرکزی **انجمن خُدّامُ القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ......اور...... **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم وحِکمت** کی

وسیع پیمانے......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ -اور- غلبۂ دینِ حق کے دَورِ ثانی

کی راہ ہموار ہوسکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

تنظیمِ اسلامی کا پیغام ‏ ‏ ‏ ‏ نظامِ خلافت کا قیام

تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: **حافظ عاکف سعید**